رئیس احمد جعفری

امام ابن تیمیہ اور اجماع

ابن تیمیہ کے نزدیک نصوص کے بعد اجماع حجت ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:-

فقہا، صوفیہ اور عامہ مسلمین کے نزدیک متفقہ طور پر اجماع حجت ہے، اہل حدیث اور اہل کلام کا بھی یہی مسلک ہے، البتہ اہل بدعت مثلاً معتزلہ اور شیعہ وغیرہ اس کے مخالف ہیں[۱]!

چونکہ امام صاحب نصوص کے بعد اجماع کو حجت قاطعہ مانتے ہیں لہذا وہ بتاتے ہیں کہ اجماع وہ معتبر ہے کہ احکام میں سے کسی حکم پر علمائے مسلمین متفق ہو جائیں اور جب کسی مسئلہ پر اجماع امت ثابت ہو جائے تو کسی شخص کو بھی اس اجماع کے دائرہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ امت مسلمہ ضلالت اور گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی[۲]،

قرآن سے مسائل اجماع پر دلیل لاتے ہوئے امام صاحب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں،

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس	"اے مسلمانو، تم بہترین امت ہو، جو لوگوں
تامرون بالمعروف وتنھون	کے لیے بھیجی گئی ہے تاکہ تم نیکیوں کا حکم دو اور
عن المنکر وتؤمنون باللہ	برائیوں سے روکو، اور ایک اللہ پر ایمان رکھو"

اس آیت میں مسلمانوں کا جو وصف بتایا گیا ہے، یہ ہے کہ وہ ہر معروف (نیکی) کا حکم دیں گے اور ہر منکر (برائی) سے روکیں گے، پھر دوسرے موقع پر ارشاد ہوا:-

وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا	"اسی طرح ہم نے تم کو امت وسطی بنایا ہے
شہداء علی الناس ویکون الرسول	تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو، اور رسول تم
علیکم شہیدا	پر گواہ رہیں"

امام صاحب یہ آیت پیش کرنے کے بعد کہتے ہیں "وسط کے معنی عدل اور خیار (اچھا ہونا) کے ہیں[۳]"

قرآن سے دوسرا ثبوت وہ یوں پیش کرتے ہیں

ومن یشاقق الرسول من بعد ما	یعنی ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد
تبین لہ الھدی ویتبع غیر	جو شخص رسول سے مناقشہ کرتا ہے اور

---

(۱) الرسائل والمسائل جلد ۵ صفحہ ۲۱ (۲) فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۱ صفحہ ۴۰۶ (۳) رسالہ معارج الوصول من مجموعۃ الرسائل الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۹۲

سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا
مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرا چلنے چلے ہم جہنم میں پہنچائیں گے، اور یہ بڑا برا ٹھکانا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں :-

" اصول فقہ پر بحث کرتے ہوئے امام شافعی نے اس آیت سے اجماع پر احتجاج کیا ہے، کیونکہ یہ آیت اس امر پر دال ہے کہ مسلمانوں کے راستہ کے علاوہ دوسرے راستے پر چلنا مستحق وعید ہے جس طرح ہدایت واضح ہونے کے بعد رسولؐ سے مناقشہ کرنا مستحق وعید ہے "

امام ابن تیمیہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی نے آیت بالا سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے، لیکن امام شافعی کے رسالہ میں اس آیت سے یہ احتجاج کہیں نظر نہیں آیا،[1] البتہ سلیمان بن یسار کی ایک حدیث سے ضرور حجت لائے ہیں، آیت مذکورہ سے امام شافعی کے استدلال کا ذکر امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں بھی کیا ہے، اور ان سے پہلے زمخشری وغیرہ نے بھی اسی آیت سے حجیت اجماع پر استدلال کیا ہے، لیکن دوسرے بہت سے اکابر نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے، نیز امام غزالی نے مستصفیٰ میں یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ آیت بالا سے اجماع کی حجیت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، لیکن ابن تیمیہ بہر حال اس آیت اجماع کی حجیت پر استدلال کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اجماع استنباط کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے اور ادلہ میں سے ایک دلیل ہے، مگر وہ کہتے ہیں کہ اجماع کے لیے ضروری ہے کہ اس کی سند بھی حدیث صحیح کی تائید کے ساتھ موجود ہو، اور یہ کہ اجماع کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ اجماع کرنے والوں کے علم میں حدیث صحیح موجود تھی اگرچہ اس کا علم سب کو نہ ہو، لیکن اس کے باوجود یہ درست نہیں ہے کہ اجماع سے حدیث صحیح کی مخالفت کی جائے، کیونکہ بہر حال اجماع کی حیثیت حدیث کے بعد، اور مرتبہ میں اس سے کم ہے لہذا یہ صحیح نہیں ہے کہ اجماع کی وجہ سے حدیث رد کر دی جائے چنانچہ اجماع پر اعتماد کے سلسلہ میں نص کی ضرورت بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ اگر نص کی تائید موجود نہ ہو تو پھر اجماع کی کوئی حیثیت نہیں[2]، پھر انہوں نے متعدد ایسے مسائل پیش کیے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مجرد اجماع سے ثابت ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ سنت میں موجود ہیں، اور سنت کی روشنی میں ان پر اجماع منعقد ہوا ہے، انہی مسائل میں سے ایک مضاربت ہے، چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں :-

---

(۱) لیکن احکام قرآن کے سلسلہ میں امام شافعی کے اقوال وکلمات جو بیہقی نے جمع کیے ہیں ان میں یہ ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو جلد اصفحہ ۲۹ (ھو جاتی)

(۲) ملاحظہ ہو معارج الوصول ص ۱۰-۲ من مجموعۃ الرسائل الصغری دمن الکبری صفحہ ۲۱۲

"اجماع بلانص کے ثبوت میں بعض لوگ مثلاً مضاربت کو پیش کرتے ہیں، حالانکہ امر واقعہ یہ نہیں ہے، مضاربت تو عہد جاہلیت سے ایک مشہور و معلوم چیز چلی آرہی ہے۔ خاص طور پر قریش میں تو یہ عام طور پر جاری تھی، زیادہ تر اسی پر ان کی تجارت کا دارومدار تھا، دولتمند لوگ اپنا مال کارکنوں کے حوالے کر دیتے تھے، نبوت کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے خود رسالت مآب خدیجہؓ کا مال لے کر سفر پر نکلے تھے، ابوسفیان جو کاروان تجارت لے کر نکلا کرتے تھے ان کی نوعیت اکثر یہ ہوتی تھی کہ مال دوسروں کا اور کارگذاری ابوسفیان کی، پھر جب اسلام آیا تو بھی رسولؐ اللہ نے یہ طریقہ جاری رکھا، متعدد صحابہ کرام مضاربت کے طور پر دوسروں کا مال لے کر سفر پر جایا کرتے تھے اور آپؐ نے کبھی انہیں اس سے منع نہیں کیا، اور سنت میں آپ کا قول، فعل اور اقرار تینوں چیزیں داخل ہیں۔ پس جب آپ نے مضاربت کو باقی رکھا تو گویا اس کا ثبوت سنت سے مل گیا[1]۔"

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ کے نزدیک اجماع کے لیے ضروری ہے کہ وہ نص پر مبنی ہو نہ کہ قیاس پر اور یہ بہت صائب رائے ہے،

امام ابن تیمیہ کے نزدیک اجماع بجائے خود نص پر مبنی ہونے کی دلیل نہیں ہے، چنانچہ وہ ربیعۃ الرائے اور مالک وغیرہ کی طرح یہ نہیں مانتے کہ اجماع اہل مدینہ مبنی بر سنت ہونے کی دلیل ہے، اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

کوئی بھی اجماعی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو بیان رسولؐ پر مبنی نہ ہو۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ سنت رسول کی نص اس سلسلہ میں بعض لوگوں کے علم میں نہ ہو اور اجماع علم میں ہو اور اس سے وہ استدلال کرتے ہوں، جس طرح بعض لوگ نص سے استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ دلالۃ النص ان کے علم میں نہیں ہوتی، اسی طرح اجماع ایک دوسری دلیل ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر کتاب وسنت اور اجماع دال نہیں، ان میں سے ہر اصول اپنے تلازم کے ساتھ حق پر دلالت کرتا ہے، پس جو اجماع کی دلیل ہے وہی کتاب وسنت کی بھی دلیل ہے، کیونکہ قرآن کی دلیل رسول اللہ سے ماخوذ ہے[2]، لہذا کتاب وسنت دونوں ہی آپ سے ماخوذ ہوئیں، پس کوئی ایسا

---

(۱) معارج الوصول

(۲) یعنی نص مجرد کوئی چیز نہیں فہم قرآن کے لیے اخذ من الرسول ضروری ہے

مسئلہ نہیں ہے جو اجماعی ہو لیکن نص پر مبنی نہ ہو"[1]۔"

ابن تیمیہ کی نظر میں اجماع، علماء عصر کے اجماع سے مراد ہے۔ اجماع وہی مانا جائے گا جب یہ ثابت ہو جائے کہ جملہ علماء عصر کی زبان پر وہی قول ہے جس پر اجماع کا دعویٰ ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر اجماع نہیں ہے وہ فرماتے ہیں:-

"بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اجماعی نہیں، حالانکہ امر واقعہ یوں نہیں ہے بلکہ کتاب وسنت میں کوئی دوسرا قول ہے جو زیادہ مرجح ہے اور بعض آئمہ سے اقوال مثلاً فقہاء اربعہ وغیرہ کے اقوال حجت لازمہ نہیں ہیں، نہ انہیں اجماعی حیثیت حاصل ہے، بلکہ خود ان آئمہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے لوگوں کو اپنی (اندھی) تقلید سے روکا ہے اور حکم دیا ہے کہ اگر وہ قرآن وسنت میں ایسا کوئی قول دیکھیں جو ان آئمہ کی رائے سے زیادہ قوی ہو تو وہی مسلک اختیار کریں جو کتاب وسنت سے اقرب ہو، اور ان کے اقوال کو ترک کر دیں چنانچہ ان آئمہ کے اکابر اتباع کا یہ مسلک رہا ہے کہ جب انہوں نے اپنے مطبوع (امام) کے قول کے خلاف کتاب وسنت میں کوئی دلیل دیکھی تو اس کی پیروی کی[2]۔"

اس کے بعد اس سلسلہ میں انہوں نے متعدد مثالیں پیش کی ہیں، مثلاً نماز قصر کے لیے مدت سفر کی تعیین وغیرہ میں اکابر اتباع کا اپنے آئمہ سے اختلاف۔

معنی سابق کے پیش نظر ابن تیمیہ کا خیال ہے کہ عہد صحابہ کے سوا کبھی اور اجماع منعقد نہیں ہوا، صرف صحابہ کا اجماع معروف ہے اور عہد صحابہ کے بعد کا دعوائے اجماع وجود اختلاف کے باعث منقوض ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:-

"یہ معلوم ہو گیا کہ اجماع صرف وہ ہے جو عہد صحابہ میں ہوا ہو، لیکن عہد صحابہ کے بعد کا اجماع متعذر ہے۔ کیونکہ عہد صحابہ کے بعد کے اجماعات کے بارے میں اہل قلم مختلف الرائے ہیں کسی صحابی کے دو قولوں میں سے ایک پر تابعین کا اجماع بھی مختلف فیہ ہے۔ یہی حال اجماع سکوتی وغیرہ کا بھی ہے۔"

اس عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ کے نزدیک اجماع صرف وہ ہے جو عہد صحابہ میں واقع ہوا ہو۔ اس سے دو امر مستفاد ہوتے ہیں:-

---

(۱) معارج الوصول من مجموعۃ الرسائل الصغریٰ صفحہ ۲۰۹ و مجموعۃ الرسائل الکبریٰ صفحہ ۲۱۲ جلد ا (۲) الفتاویٰ جلد ا صفحہ ۲۰۶

ایک تو یہ کہ اجماع حجت شرعیہ ہے۔ اور یہ کہ اجماع ممکن الوقوع ہے، اس کا وقوع محال نہیں لہذا وہ امکان وقوع کی نفی نہیں کرتے، صرف وقوع کی کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ عملی طور پر اجماع صرف عہد صحابہ میں منعقد ہوا، وہ بھی اس وقت جب تک وہ مختلف دیار و امصار میں منتشر نہیں ہوئے تھے۔ پھر انہی کے ساتھ علم رسولؐ اور اجتہاد صحابہ اولین بھی منتشر ہوگیا اس دور کے بعد جب بھی اجماع کا دعویٰ کیا جائے گا وہ مختلف فیہ ہوگا۔

اس سے امام شافعی کے اس مسلک کو بھی تقویت پہنچتی ہے کہ اجماع جو عہد صحابہ میں منعقد ہوا وہ صرف اصول فرائض میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہوا۔

ابن تیمیہ نے استدلال کی ترتیب جو رکھی ہے وہ یہ ہے۔ پہلے کتاب (قرآن) پھر سنت، پھر اجماع چنانچہ فرماتے ہیں :-

ابن عباس کا فتویٰ سنت رسولؐ پر مبنی ہوتا تھا، پھر سنت ابوبکرؓ و عمرؓ پر، کیونکہ ارشاد نبوی ہے "اقتدوا بالذین من بعدی ابوبکر و عمرؓ" یعنی میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتداء کرو۔ ابن مسعود اور ابن عباس سے یہ آثار ثابت ہیں، اور یہ حضرات صحابہ میں قضا اور فتیا کے لحاظ سے مشہور ہیں، اور یہ مسلک صحیح اور درست ہے۔ لیکن متاخرین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اجماع کو دیکھے، اگر اجماع کا پتہ چل جائے تو پھر کسی اور طرف ملتفت ہونے کی ضرورت نہیں، اور اگر کوئی نص اجماع کی مخالف نظر آئے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ کسی ایسی نص سے منسوخ ہے جس کا ہمیں علم نہ ہو سکا۔ بعض کا یہ قول ہے کہ اجماع خود ناسخ نص ہے۔ لیکن صحیح اور درست طریقہ سلف ہی کا ہے"۔

اس سے ثابت ہوا کہ ابن تیمیہ کے نزدیک طریقہ سلف یہ ہے کہ اجماع کو نص سے موخر رکھا جائے اور اگر اجماع سے نص یا خبر احاد معارض ہو تو اسے اجماع پر مقدم رکھا جائے گا۔ متقدمین اور بعض متاخرین کا مسلک یہی ہے۔ البتہ متاخرین میں سے بعض لوگ اجماع کو نصوص پر حتیٰ کہ قرآن تک پر مقدم رکھتے ہیں۔ یہ لوگ دو گروہوں پر مشتمل ہیں۔

ایک گروہ تو وہ ہے جو کہتا ہے کہ اگر کوئی نص اجماع کی مخالف ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسی ہی کوئی دوسری نص پہلی نص کو منسوخ کر چکی ہے، لہذا یہ اجماع نص ناسخ پر مبنی ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اجماع بجائے خود نص کا ناسخ ہے۔ ابن تیمیہ ان دونوں باتوں کی تردید کرتے

ہیں، وہ فرماتے ہیں :-

"اجماع اگر کسی نص معروف کا ناسخ ہے تو ضروری ہے کہ وہ کسی دوسری نص معروف پر مبنی ہو، جس کے مدلول پر اجماع کرنے والوں نے فتویٰ دیا ہو، اس اصول پر نص کی ناسخ نص ہی ہوگی اور یہ درست نہیں ہے کہ یہ فرض کر لیا جائے کہ جس نص کی دلالت کی بنیاد پر اجماع ہوا ہے وہ مجہول ہے، کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ امت نے نص محکم کو ضائع کر دیا، اور منسوخ نص کی حفاظت کر کے اسے باقی رکھا، اور یہ قطعاً درست نہیں ہے کہ امت کی طرف یہ منسوب کیا جائے کہ اس نے اس نص کو جس کے اتباع پر وہ مامور تھی ضائع کر دیا، اور جس نص کا اتباع اس کے لیے ممنوع تھا اس کی حفاظت کر کے اسے باقی رکھا۔

اسی طرح امام صاحب ان لوگوں کا بھی رد کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اجماع بجائے خود نص کو منسوخ کرنے کا حق رکھتا ہے۔

امام صاحب نے ان لوگوں کے خیالات کی بھی تردید کی ہے جن کا خیال ہے کہ اجماع بجائے خود نص کا ناسخ ہے، امام صاحب فرماتے ہیں یہ دعویٰ جملہ قواعد نسخ کے خلاف ہے، اس لیے کہ اصول یہ ہے کہ کتاب (قرآن) کی صرف کتاب ہی ناسخ ہو سکتی ہے، اور سنت کا حق تنسیخ صرف سنت ہی کے لیے استعمال ہو سکتا ہے پھر وہ چیز (اجماع) ان دونوں میں سے کسی ایک کو (کتاب یا سنت کو) کس طرح منسوخ کر سکتی ہے جو نہ قرآن ہے نہ سنت (ناسخ، منسوخ کا فیصلہ کرتا ہے، پھر قرآن میں اس کا فیصلہ کیسے چلے گا جو قرآن نہیں ہے! اور سنت میں اس کا حکم کس طرح چل سکے گا جو ہرگز سنت نہیں ہے۔ علماء اصول میں سے کسی نے بھی ادلہ کے مابین تعارض تسلیم نہیں کیا ہے، البتہ قرآن کا معارض قرآن کو مانا ہے۔ اسی طرح سنت کا معارض سنت کے سوا کسی اور کو نہیں قرار دیا ہے، پھر بھلا اجماع کو نص کا ناسخ کس طرح مانا جا سکتا ہے جبکہ معارض تک نہیں مانا جا سکتا! پس اجماع اور کتاب یا اجماع اور سنت کا تعارض علماء اصول نے بالکل تسلیم نہیں کیا ہے، نہ قیاس کا تعارض کے ساتھ تسلیم کیا ہے۔ پھر آخر میں امام ابن تیمیہ نے اس ورا ست دقیقہ حکمہ کو اس قضیہ صادقہ سے مبرہن کیا ہے کہ اجماع صحیح نہ کتاب کا معارض ہو سکتا ہے نہ سنت کا اور کوئی شبہ نہیں یہی بات بجا اور درست ہے۔

اس کے بعد اگر کوئی شخص نص اور اجماع کے مابین معارضہ کا قائل ہے تو وہ وہم اور مغالطہ میں مبتلا ہے وہ جسے اجماع سمجھتا ہے وہ سرے سے اجماع ہی نہیں ہے۔

(ابو زہرہ کی کتاب ابن تیمیہ سے ترجمہ)

---

(۱) معارج الوصول من مجموعۃ الرسائل الکبریٰ صفحہ ۲۱۶